محمد حنیف ندوی

تأثرات

جب نئے علم الکلام کی ضرورت واضح ہو چکی ۔ اور اس حقیقت کو تسلیم کر لیا گیا کہ موجودہ دور کے علوم وفنون، مزاج، اور رجحانات بالکل ہی جدید محتویات، جدید انداز استدلال اور جدید زبان اور جدید اسلوب اظہار چاہتے ہیں تو اس کے بعد لازم آتا ہے کہ ہم سب سے پہلے اس علم الکلام کے محتویات کی ایک فہرست پیش کریں، جسے آیندہ چل کر ہمارے ایمانیات کو زندگی بخشنا اور جِلا دینا ہے ۔ اور پھر بتائیں کہ فکر ونظر کے ان موضوعات کے کن کن نقاط پر بحث ہونا چاہیئے ۔ اور اثبات و تائید کے کن کن پیمانوں سے اس سلسلہ میں کام لینا چاہیئے ۔ ہماری رائے میں بدرجۂ غایت اہمیّت کے حامل موضوع حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ اثباتِ باری۔

۲۔ کیا یہ عالم ہست وبود حقیقی ہے اور خارج میں موجود ہے یا محض ذہن کی کرشمہ سازی اور تجرید کا نتیجہ ہے۔

۳۔ کیا روح کا الگ وجود پایا جاتا ہے اور بقائے روح کے معنی شخصیّت کے بھرپور اظہار کے ہیں۔

۴۔ ہماری تہذیبی اقدار کی تعیین میں کیا اصول کارفرما ہونے چاہئیں۔

۵۔ کیا معاشرہ ایک تبدیل پذیر حقیقت ہے ۔ اور اس کی تبدیلیوں سے فقہ وقانون کے خانے بدلتے ہیں۔

۶۔ ہمارا سیاسی تصوّر کس نوع کے اندازِ ریاست کا مقتضی ہے ؟ اور

۷۔ ہمارا اخلاقی تصور کن بنیادوں پر استوار ہے؟ یا ہمارے اخلاقیات یونانی تصور سے کن معنوں میں مختلف ہیں۔

اس تفصیل کے بعد آئیے ہم ترتیب وار ان تمام عنوانوں پر اظہارِ خیال کریں۔

اثباتِ باری کا موضوع ہمارے لیے اولیں اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اسی پر ہمارے ایمانیات کا تمام تر دارومدار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا وجود برحق ہے تو مذہب و اخلاق اور اقدارِ حیات کے لیے معقول وجہ جواز موجود ہے۔ لیکن اگر اسی جانِ جہاں اور منتہائے آرزو کا وجود نہیں ہے تو پھر فکر و نظر کا پورا ڈھانچہ ہی بدل جاتا ہے۔ پھر نہ اخلاقیات میں وہ استواریاں رہتی ہیں نہ قانون تقدیس کا حامل قرار پاتا ہے نہ روح کی بے قراری بے چین کرتی ہے نہ آخرت و عقبےٰ کی کھٹک قلب و ذہن میں خلش پیدا کرتی ہے اور نہ اقدارِ حیات کا مسئلہ اتنا اہم رہتا ہے کہ اس کے لیے جانِ عزیز کو خواہ مخواہ پریشان کیا جائے۔ انکارِ خدا کی صورت میں زندگی کا کوئی نصب العین شخصی انا کے حدود سے آگے بڑھ کر ہمہ گیری اور عالمگیری کی سطح پر فائز نہیں ہو سکتا اور نہ نیکی و سعادت کے ساتھ ایسا لگاؤ و وابستگی ہی محسوس کر سکتا ہے زیادہ صحیح تر پیرایہ بیان میں یوں کہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا تصور انسانی زندگی کو جو ایک طرح کی بے لوث اور اونچی اجتماعیت بخشتا ہے اور اخلاقیات یا قانون و مذہب کے لیے جو عالمگیر پیمانے عطا کرتا ہے نیز اعمال میں اخلاص اور محبت کے حسن پاکیزہ دواعی کو ابھارتا ہے خدا کا انکار کر کے ہمیں اِن سب نعمتوں سے دستکش ہونا پڑے گا۔

خدا کا مسئلہ ہمارے لیے گوشت پوست اور روح و جان کا مسئلہ ہے۔ ڈیکارٹ کی تجربیت کا نقطۂ آغاز اگر شعور و احساس کی اس کیفیت کو قرار دیا جا سکتا ہے کہ "چونکہ میں ہوں اس لیے دنیا کے ہست و بود کا بھی وجود ہے۔" تو ہمارے ذوق و وجدان کی اساس یہ جملہ ہے کہ "اگر خدا ہے تو اقدار حیات کا یہ کارخانہ بھی قائم ہے، اور اگر یہی مصدرِ حیات، منبعِ اقدار اور جانِ تمنا نہیں ہے تو پھر ہمارے لیے کوئی عقیدہ، عقیدہ نہیں رہتا۔" ہمارے احساسات و جذبات اس سلسلہ میں کچھ اس نوعیت کے ہیں کہ اگر ہمیں اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنا پڑے کہ یا تو ہم اللہ تعالیٰ کے وجودِ باجود کو تسلیم کریں

اوریا کائنات مادی کی نمایاں محسوس حقیقتوں پر ایمان لائیں تو ہم کائنات مادی کی جملہ کرشمہ سازیوں کا انکار کر دینگے مگر اللہ تعالیٰ سے کسی صورت میں بھی قطع تعلق نہ کر سکیں گے۔

لیکن جذبات و احساسات ہی سب کچھ نہیں ہیں۔ آج اللہ تعالیٰ کے وجود کا روز روشن میں انکار کیا جا رہا ہے اس لیے ہمیں اس مسئلہ پر خالص معروضی نقطۂ نظر سے غور کرنا ہوگا اور بتانا ہوگا کہ اثبات باری پر کون دلائل زیادہ لایق قبول ہیں۔ اس سلسلہ میں اہم نکتہ یہ ہے کہ کانٹ نے وجود باری کے متعلق روایتی دلائل (کونی، غایتی اور وجودی) پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کی قدرے وضاحت کر دی جائے۔ تاکہ جو لوگ اس مسئلہ پر فکر و نظر کے قافلوں کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں وہ اس امر کو ملحوظ رکھیں کہ ان کا کام بعینہٖ انہیں مدرسی دلائل کو دہرا دینا نہیں ہے بلکہ یا تو ان سے بالکل مختلف روش اختیار کرنا ہے، اور اثبات و تائید کے نئے اسلوب و نہج کو اپنانا ہے۔ اور یا پھر تفصیل سے یہ بتانا ہے کہ کانٹ کی تنقید میں کیا خلل ہے؟

اثبات باری کے سلسلہ میں یہ دو ہی طرز عمل ہیں جن سے اس دور کا انسان مطمئن ہو سکتا ہے تنقید کی وضاحت سے پہلے ہمارے اردو دان حضرات اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ کانٹ پہلا شخص ہے جس نے نہایت دقت نظر سے انسانی براہین کا کھوکھلا پن واضح کیا ہے کہ جن پر مدرسی حکماء صدیوں سے اتفاق کرتے چلے آئے ہیں۔ اور بتایا ہے کہ وجود باری کا مسئلہ جس منطقی اہمیت کا حامل ہے وہ دلائل کی اس نوعیت سے حل ہوتا ہوا نظر نہیں آتا، لہٰذا اس کے لیے ان سے زیادہ استوار، زیادہ قطعی اور سمجھ میں آنے والا طریق اختیار کرنا چاہیے۔ کانٹ کی تنقید ایک مخالف، یا ملحد کی تنقید نہیں، جو خدا کو نہ مانتا ہو، یا جو خدا کو نہ ماننا چاہتا ہو، بلکہ ایک ایسے مخلص ذہین حکیم کی تنقید ہے کہ جس کی عبقریت اُن فرسودہ و ناکافی دلائل سے مطمئن نہیں ہو پاتی کہ جن پر صدیوں سے مدرسی حکماء نے الٰہیات کا کاخ بلند تعمیر کر رکھا تھا۔

دلیل کونی اس عام تاثر پر مبنی ہے کہ ہر ہر حادث و نوپیداشئی کے لیے چونکہ ایک علت درکار ہے جو اس کو کتم عدم سے نکالے اور سطح وجود پر فائز کرے، لہٰذا اس عالم کے لیے بھی ایک علت چاہیئے کہ

جس کی طرف تخلیق و ابداع کی طرفہ طرازیوں کو منسوب کیا جا سکے۔ اس دلیل پر حسب ذیل تین اعتراضات وارد ہوتے ہیں:۔

(۱) یہ دلیل اس وقت نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے جب ہم پہلے ہی قدم پر اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ یہ عالم پہلے معدوم محض تھا اور پھر کسی تخلیقی قوت نے اسے وجود سے بہرہ ور کیا ہے۔ حالانکہ یہی بات متنازع فیہ اور ثبوت طلب ہے۔ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ اس عالم نے اجمال سے تفصیل کی طرف قدم بڑھائے ہیں۔ اور وجود کی ہر ہر سطح میں ارتقاء و تغیر کا عمل جاری رہا ہے۔ مگر یہ کہ یہ عالم کبھی سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ اس کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں۔ اس بنا پر یہ دلیل مصادرة علی المطلوب (PETITO PRINCIPII) کے مغالطہ کا شکار ہو جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بات بجائے خود ثبوت طلب ہے۔ اسی کو بطور دلیل و برہان کے پیش کیا جائے۔

(۲) اور اگر یہ بات صحیح ہے کہ عالم وجود کی کسی نہ کسی سطح پر ہمیشہ قائم رہا ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حیثیت محض ایک کاریگر اور صناع کی رہ جاتی ہے خالق و آفرینندہ عالم کی نہیں کہ جس نے مختلف عناصر، ذرات اور اشیاء میں ترکیب و امتزاج پیدا کیا ہے۔ اور اگر تخلیق و ابداع کو تھوڑی دیر کے لیے صفت تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی اس سے ایک ہمہ صفت موصوف خدا کا تصور مرتسم نہیں ہوتا ہے۔

(۳) اس دلیل میں تیسرا بنیادی نقص یہ ہے کہ آگے چل کر یہ خود تعلیل کے پرزور طلسم کو توڑ دینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہر ہر شئی ایک علت کی متقاضی ہے تو اللہ تعالیٰ کا وجود کیوں علت کا طالب نہیں ہو سکتا۔ اور اس سلسلہ تعلیل کو کیوں لانہایہ تک وسعت پذیر نہیں مانا جا سکتا۔ اور اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کے حریم ناز تک جا کر اسے بہرحال ختم ہونا ہی ہے تو اسے یہیں کیوں نہ ختم کر دیا جائے۔